

اپنی صلاح خود کیجئے!

ایک مرتبہ گول مٹول سا خوب صورت بچہ ندی کے پاس کھیل رہا تھا۔ کھیلتے کھیلتے وہ ندی کے بالکل قریب پہنچ گیا اور بہتا پانی دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس گھبراہٹ میں وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور ندی میں گر گیا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک شخص لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ اس نے بچے کو پانی میں ڈوبتے دیکھتا تو دوڑ کر آیا اور فوراً ندی میں چھلانگ لگا کر بچے کو کنارے پر لے آیا۔ پانی سے نکلنے کے بعد بچہ سہا ہوا تھا۔ مہربان شخص نے اُسے تسلی دی اور اس کا نام پوچھا لیکن خوف کے مارے وہ خاموش تھا۔ اس نے بچے کو گھر کے دروازے تک پہنچایا اور وہیں سے واپس ہو گیا۔ وہ اپنے اُس عمل پر بہت خوش تھا۔ کچھ دن بعد بچے کے والدین اس مہربان شخص کی تلاش میں گاؤں آئے۔ انھوں نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو کسی نے بتایا کہ وہ ندی کے کنارے کام کرتا ہے۔ بچے کے والدین وہاں پہنچے۔ مہربان شخص نے انھیں دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ لوگ اس کا شکر یہ ادا کرنے آئے ہیں۔ وہ بولا: ”مجھے شکر یہ یا انعام کی ضرورت نہیں۔ میں نے انسانیت کے ناتے آپ کے بچے کی مدد کی تھی۔ اس کی جان بچ گئی، میرے لیے یہی کافی ہے۔“

بچے کا باپ بولا: ”نہیں، ہم آپ کو کچھ دینے نہیں آئے، ہم بس یہ پوچھنے آئے ہیں کہ کھیلتے وقت بچے نے ٹوپی پہنی تھی، جب تم نے اسے پانی سے نکالا تو اس کے سر پر کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ٹوپی کہاں ہے؟“ مہربان شخص اس سرد مہری پر حیران رہ گیا۔ اس نے دُکھ سے کہا: ”حضور! میں نے آپ کے بچے کی جان بچائی، آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہیے لیکن اس کے بجائے آپ کو ٹوپی کی فکر کھائی جا رہی ہے۔ آپ تو بہت ہی بے مروت ثابت ہوئے۔“

طوطا چشم کی اصطلاح ان لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو ضرورت کے وقت آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنی چھوٹی چیز کی پروا تو ہوتی ہے لیکن دوسرے شخص کے بڑے احسان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ ناشکرا پن ہے جو اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ایسا شخص دوسروں کی اچھائی کو اہمیت نہیں دیتا اور احسان کو اپنا حق سمجھتا ہے۔

آپ اگر جائزہ لیں تو معاشرے میں آپ کو اس سے ملتے جلتے رویے کثیر تعداد میں ملیں گے۔ کئی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ سالوں تک احسانات کیے لیکن بدلے میں انھیں کچھ نہیں ملا بلکہ بعض اوقات وہ لوگ اپنے محسن کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اسے نقصان پہنچاتے ہیں۔ کئی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کسی غریب کو سہارا دیا، اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا اور کچھ عرصے بعد وہ اپنے محسن کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ ناشکرا پن دراصل ناقدر اپن ہے۔ ایسا شخص اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اس کے پاس کتنی چیزیں ایسی ہیں جو اس کی زندگی کو بہتر بنا رہی ہیں۔

نیز خدا نے اُسے کتنی نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی وجہ سے وہ کامیابی، عزت اور مرتبہ حاصل کر چکا ہے۔
یاد رکھیں! انسان جس چیز کی قدر ختم کرنا چاہتا ہے وہ چیز اس انسان کی قدر ختم کر دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نعمت کی
ناقدری کرنے کی وجہ سے اس انسان کی زندگی سے وہ نعمت ختم ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی محرومیوں اور مشکلات میں
اضافہ ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ پریشانیاں اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ انسان کا سکون اور چین ختم کر دیتی ہیں۔ درحقیقت
قدر اور شکر کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جب انسان اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ میری زندگی میں فلاں چیز کی اہمیت ہے تو اس
کا شکر بھی ادا کرنے لگتا ہے اور شکرگزاری کے متعلق خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور عطا کروں گا۔

ہر وہ شخص جو رونے دھونے والا ہو، اس کی شکایات تو ختم نہیں ہوتیں البتہ اس کے پاس نعمتیں ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس
کی مثال وائرس کی طرح ہے۔ کمپیوٹر سسٹم میں اگر وائرس آجائے تو وہ Windows کو بے کار کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسی
طرح انسان کی زندگی میں بھی اگر ناشکرے پن کا وائرس آجائے تو وہ اس کے سکون اور اطمینان کو ختم کر دیتا ہے۔ رونے
دھونے کی عادت سمندر میں موجود برفانی تودے کی طرح ہوتی ہے۔ برفانی تودے کا 90 فی صد حصہ پانی میں ہوتا ہے اور
دس فی صد سطح سے اوپر ہوتا ہے۔ زیر آب حصہ اس قدر سخت اور مضبوط ہوتا ہے کہ اگر اس سے بحری جہاز ٹکرا جائے تو وہ تباہ
ہو سکتا ہے۔ ہماری فطرت برفانی تودے کے 90 فی صد حصے کی طرح ہوتی ہے۔ ہم بظاہر کتنی ڈرامہ بازی کر لیں، خود کو اچھا
اور مثبت دکھانے کی کوشش کریں، پھر بھی اپنی فطرت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدرا اور ناشکر انسان اچھی زندگی
گزارنے کے باوجود ہر وقت روتا دھوتا ہے۔ یہ لوگ جہاں اپنی زندگی سے شکوہ کر رہے ہوتے ہیں وہیں اپنے حالات کا ذمہ
دار دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی وجہ سے میں ترقی نہیں کر سکا۔ حالات میرے موافق نہیں ورنہ آج
میں یہاں نہ ہوتا۔ دوسروں کو الزام دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کر رہا ہے۔ اس کے
اندر حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ آپ نے Middle Class Trap کے بارے میں سنا ہوگا۔ یہ وہ جال
ہے جس کی وجہ سے معاشرے کا ایک طبقہ زندگی بھر جامد رہتا ہے اور ترقی نہیں کر پاتا۔ یہ لوگ Blame Game (الزام
تراشی) کے عادی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو کچھ ملے یا نہ ملے، یہ اپنے آس پاس دیکھتے ہیں اور کسی بھی شخص پر اپنی ناکامی،
محرومی اور نااہلی کا الزام لگا دیتے ہیں۔ انہیں اگر کوئی انسان نہ ملے تو پھر ”قسمت“ تو کہیں گئی نہیں، یہ تمام ملبہ قسمت پر ڈال
دیتے ہیں۔ دوسروں پر الزام لگانے سے ان کی انا کو تسکین ملتی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ لوگ غلطی ماننے سے بچ جاتے ہیں۔

جب انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ میں غلط تھا تو اس عمل سے اس کو سیکھنے کا موقع بھی ملتا ہے، جس کی وجہ سے وہ خود کو بہتر اور قابل بنا سکتا ہے لیکن جو شخص اپنی غلطی نہیں مانتا وہ سیکھنے کا موقع ضائع کر دیتا ہے۔ الزام تراشی کرنے والوں کی باتوں میں شکوہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ آغاز شکایت سے کرتے ہیں اور اختتام بھی اسی پر کرتے ہیں۔ یہ خود کو دنیا کا مظلوم ترین انسان سمجھتے ہیں جس کے ساتھ ہر شخص زیادتی کر رہا ہے۔ شکوہ شکایت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ میرے اندر کس قدر خوبیاں ہیں اور میں اگر انھیں استعمال میں لے آؤں تو کتنی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہوں۔

ایسے لوگوں پر منفی سوچ کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان کے آس پاس بہت سی مثبت چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن ان کی نظر ہمیشہ منفی چیزوں پر ہوتی ہے۔ جیسے سفید کپڑے پر اگر معمولی سا سیاہ داغ ہو تو یہ کپڑے کے اُبلے پن کو چھوڑ کر صرف اس داغ کو دیکھیں گے۔ منفی سوچ کی وجہ سے ان کے دماغ میں ہر وقت مسائل چلتے رہتے ہیں۔ جس طرح چارہ کھانے کے بعد بھینس منہ چلاتی رہتی ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے ذہن میں مسائل چباتے رہتے ہیں یہ لوگ مسائل سوچنے میں اس قدر ڈوب جاتے ہیں کہ انھیں حل نظر ہی نہیں آتا۔ اس عادت کی وجہ سے یہ ہر وقت پریشانیوں میں گھرے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص مسائل کے بجائے حل پر توجہ دیتا ہے تو اس کے پاس امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور یہ امکانات اس کے لیے مواقع پیدا کرتے ہیں جنہیں کام میں لا کر نہ صرف وہ مسائل حل کرتا ہے بلکہ زندگی میں ترقی بھی کر لیتا ہے۔

اسٹیفن آرکوائے نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک کمپنی میں صبح جب ملازمین کام پر آئے تو ہر ایک کی میز پر خط پڑا ہوا تھا جس پر لکھا تھا کہ تمہاری کامیابی اور ترقی کا سب سے بڑا دشمن آج مر گیا ہے اور شام پانچ بجے اس کا جنازہ ہے۔ اس اطلاع پر لوگ بہت حیران تھے۔ شام کو تمام لوگ مقررہ جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک تابوت رکھا ہوا تھا۔ ہر شخص مردے کا چہرہ دیکھنے کا خواہش مند تھا تا کہ معلوم کر سکے کہ وہ کون سا شخص ہے جو مجھ سے اتنی نفرت اور دشمنی کرتا تھا۔ ایک ایک فرد آتا اور کپڑا ہٹا کر مردے کا چہرہ دیکھتا تو اسے دھچکا لگ جاتا، کیوں کہ تابوت میں میت نہیں تھی، وہاں آئینہ رکھا ہوا تھا اور جو بھی تابوت میں دیکھتا تو اسے اپنا چہرہ نظر آتا۔ ہمارے معاشرے میں بعض لوگوں کو کسی دشمن کی ضرورت نہیں ہوتی ان کی عادات اور رویے ایسے ہوتے ہیں جو انھیں تباہ کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ انسان اپنے آپ کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔ وہ اگر اپنی انا اور نفس پر قابو پالے تو پھر بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اس لئے آپ بھی آج سے ہی اپنی سوچ کو بدلیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی سے ناشکر اپن اور بے قدری کو نکال دیں۔ دوسروں کو قصور وار ٹھہرانے کی بجائے اپنی اصلاح پر دھیان دیں تاکہ کامیاب اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔